ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۱۶)
ڈاکٹر حافظ محمد مقصود

"اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے"

(گذشتہ سے پیوستہ)

پھر قرآن و سنّت سے ماخوذ و مستنبط یہی علمِ پیغمبرانہ رہنمائی کی وجہ سے پیغمبری عکس (تجلّیاتِ کلیم) اور نگاہِ تیز (مشاہداتِ حکیم) اپنے جلو میں لیتے ہوئے دل و نظر کا ندیم ہو کر اس لادینی، خدا بیزار، آدم فریب اور غارت گرِ دین و ایمان فکر و فلسفہ کے بتوں کے لیے ابراہیم بن کر عصرِ حاضر کی علمی اور فکری لغزشوں کی اصلاح کرتا چلا جائے گا۔ جیسا کہ اقبال کے بقول

وہ علم اپنے بتوں کا آپ ہے ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم

مگر اللہ نہ کرے اگر ایسے لوگ برآمد نہ ہو سکے اور اس بے خدا فکر و فلسفہ کا " اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ " کے مصداق ایک باخدا فکر و فلسفہ سے رد نہ کیا گیا اور لادینیت کی اس خلیج کو ایک زبردست علمی تحریک کے ذریعے پاٹ نہ دیا گیا تو اس علمِ بے خدا کے دریا کی تلاطم خیز موجیں ع " آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے " اور ع " دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں " کے مصداق بدقسمت نوعِ انسانی کے ساتھ آتش و آہن اور خاک و خون کی جو ہولی کھیلیں گی اس کا نظارہ مستقبل کا مؤرخ ہی کر سکتا ہے۔ رنج والم کا وہ عالمِ نو" ہمارے لیے ابھی پردۂ تقدیر میں مستور ہے۔ اس کے آخری انجام کی ہولناکی کا علم تو اللہ ہی کو ہے، مگر جن ہلاکت خیزیوں اور سیاہ کاریوں سے اس بے خدا فکر و فلسفہ اور سائنس نے آغاز کیا ہے اس کی داستانِ غم ع " قصۂ درد

سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم" کے مصداق ہم اقبال ہی سے سُن لیتے ہیں :-

۱- علم اشیار خاکِ ما را کیمیاست　　آہ از افرنگ" تا ثیرش جُداست !
۲- عقل و فکرش بے عیارِ خوب و زشت　　چشمِ اُو بے نم، دلِ اُو سنگ و خشت
۳- دانشِ افرنگیاں تیغے بدوشش　　در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش
۴- آہ از افرنگ و از آئینِ اُو　　آہ از اندیشۂ لا دینِ اُو !
۵- اے کہ جاں را بازمے دانی زتن　　سحرِ ایں تہذیب لادینی شکن
۶- عقل اندر حکمِ دل یزدانی است　　چُوں ز دل آزاد شُد شیطانی است

مفہوم :-

۱- اشیار کا علم (اگر خدا کا عقیدہ اور تصوّر اس میں شامل ہو) ہماری خاک کے لیے کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے اور بالآخر اسے ایک قابلِ قدر چیز بنا دیتی ہے، مگر افسوس کہ افرنگ (اہلِ مغرب) کے سوچنے اور سمجھنے کے زاویے ہی کچھ دوسرے بن گئے ہیں، لہٰذا اب وہ بے خدا علم بھنور اور منجدھار بن کر خود اُنہیں ڈبونے لگا ہے۔

۲- اُن کی سوچ اور عقل و فکر خوب ناخوب، جائز و ناجائز اور حرام و حلال میں فرق و تمیز کرنے سے عاجز ہو کر رہ گیا ہے (انسانوں پر ظلم و تشدّد جیسے توپوں، ٹینکوں اور جہازوں سے گرتے ہوئے بموں کے ذریعے تباہ کاری میں) اُن کی آنکھیں بے نم اور دل اینٹ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔

۳- مغربی سائنس، عقل و دانش اور فکر و فلسفہ (لالچ اور حرص و ہوس کی) تلوار بن کر نوعِ انسانی کی تباہی اور ہلاکت و بربادی کا سامان فراہم کر رہی ہے۔

۴- ہائے افسوس اس لادینی نظام کے بے خدا فکر اور گرے ہوئے قانونِ اخلاق پر۔

۵- اے مسلمان جو رُوح و بدن میں امتیاز کر سکتا ہے اس لادینی تہذیب و تمدّن کے جادو کو توڑ دے جس نے تن بدن پر نگاہیں مرکوز کر کے روحِ انسانی کو قبر کی گہرائیوں میں سُلا دیا ہے۔

۶- عقل یعنی سائنس اگر خدا کے تصوّر اور محبت کے تابع رہے تو خدا کی زبان اور

دستِ قدرت بن جاتی ہے اور اگر خدا کے تصوّر سے آزاد ہو جائے تو شیطنت بن جاتی ہے ۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ماسوائے ایک اقل قلیل تعداد کے، مشرق و مغرب کا پورا دماغ اس دنی الطبع شیطان کے چنگل میں آچکا ہے ۔ پہلے اگر یہ شیطان صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں تک محدود تھا تو اب یہ وہاں سے اپنے مشیر اور کارندے پھیلا کر پوری انسانی ذہنیت کو مسموم کر چکا ہے ۔ اس لادینی تہذیب نے اہلِ حق کی زندگی کو اس دنیا میں مشکل سے مشکل تر کر دیا ہے اور قومیت ، نسلیت ، رنگت ، لسانیت اور علاقائیت کے نئے نئے بتوں یعنی لات و منات اور عزیٰ و ہُبل کو از سرِ نو حیاتِ تازہ دے کر انہیں مسجد و حرم کے اندر بے دردی سے گھسا دیا ۔ اس تہذیبِ بے خدا کے جادو نے دل کی آنکھوں (دیدۂ دِل) کو اندھا (نابصیر) اور رُوح کو اپنی آب و تاب سے بے گانہ کر دیا ہے ۔ جو دِل سے لذّتِ بے تابی ، سرور اور عشق و جنوں کو اُچک کر لے جا چکا ہے ، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسانی جسم (پیکرِ گِل) سے پورے کا پورا دل چھین کر غائب کر چکا ہے ۔ آہ و بکا کے اس قصّۂ درد کی حقیقت اقبال کی زبانی سنیئے ۔

ے لیکن از تہذیبِ لادینی گُریز
زانکہ اُو با اہلِ حق دارد ستیز
فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزّیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدۂ دل نابصیر
رُوح از بے آبیٔ اُو تشنہ میر
لذّتِ بے تابی از دل مے برد
بلکہ دِل از پیکرِ گِل مے برد

یہ سب کچھ کبھی ممکن نہ ہوتا اگر ہم خود اس آفاقی اور کائناتی دین کو مذہب و دھرم کے چند عقائد و رسومات تک محدود کر کے اسے بتکدۂ تصوّرات بنانے کے جرم میں شریک نہ ہوتے ۔ ایک طرف ہم نے اسے ایک محدود مذہب سمجھا اور اس محدود مذہبیت کی وعظ و نصیحت اور تبلیغ و تلقین شروع کی ۔ تو دوسری جانب اس حقیقت سے آنکھیں

بند کرلیں کہ لادین فکر و فلسفہ کا جو طوفانِ بدتمیزی آئین و اخلاق کے تمام حدود و سلاسل توڑ کر اچانک اُمڈ پڑا ہے اس کا مقابلہ بھی ہمارا ہی فرض ہے۔ چنانچہ اس ذہول و نسیان کی پاداش میں قدرت نے ہمیں جس تسلسل سے مشقِ ستم بنایا اس کا نظارہ آج ہم میں سے ہر چھوٹا بڑا اسر کی آنکھوں سے کر رہا ہے۔ کاش ہم اپنی مجالس اور حلقہ ہائے مسالک میں اتنے غرق نہ ہوتے جس کی شکایت کبھی اقبال کو بھی ان الفاظ میں کرنی پڑی تھی کہ ؎

با مُریداں روز و شب اندر سفر
از ضرورت ہائے ملّت بے خبر

ہم نے کبھی اپنی مسندوں، مُصلّوں اور خانقاہوں سے باہر جھانکنے کی اتنی سی کوشش بھی گوارا نہیں کی کہ بے خدا سائنس کے سہارے لادینیت کا جو لپکتا ہُوا دریائے متلاطم نسلِ جدید کے نوجوانوں کی صلاحیتوں اور ذہنی قابلیتوں کی جس متاعِ گراں کو بہائے لیے جا رہا ہے وہ ع" ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو" کے مصداق کہیں ہماری اپنی ہی متاع نہ ہو۔

چنانچہ درد و کرب اور حسرت و افسوس کی اس صورتِ حال پر اقبال نہایت دل سوزی کے ساتھ اپنے ساقی سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا بات ہے اور مایوسی و پریشانی کی یہ کیسی لہر اُٹھی ہے جسے روکنے کے لیے کسی موجِ مُضطر کی زنجیر بنتی نظر نہیں آتی۔ تین سو سال سے اعلیٰ ترین علمی سطح پر ہمارے ہاں کوئی ایسی علمی تحریک نہیں اٹھی جو بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے چشمۂ حیواں کا کام دے سکے۔ پھر آگے وہ اس عظیم اور اندوہناک حادثۂ فاجعہ پر خون کے آنسو بہا کر ساقی سے دریافت کرتا ہے کہ علم سائنس کی نیام میں سائنس کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالےٰ کے تصور یا عشق کی شکل میں جو تیغ جگردار موجود چلی آرہی تھی وہ تیغ جگردار کن ظالموں نے انسانیت کے امن و آشتی کا خون کرکے اُڑا ڈالی کہ اب وہ نیام (سائنس) اُس تیغ (عشقِ خدا) سے بالکل خالی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب سارا علم (سائنس) اللہ تعالےٰ کے تصوّر اور عشق کے بغیر ایک بے لنگر کے جہاز کی طرح زندگی اور موت کی کشمکش میں خطرناک ہچکولے کھا رہا ہے، جو نہ معلوم کب کسی چٹان سے ٹکرا جائے اور ریزہ ریزہ ہو کر قصّۂ پارینہ بن جائے۔

آگے چل کر اقبال "مرحوم امّتِ مسلمہ" کی ایک دوسری بدقسمتی پر کفِ افسوس ملتا ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور فکر و فلسفہ کے زہرِ ہلاہل کا ترکی بہ ترکی جواب تو ایک باخدا سائنس اور فکر و فلسفہ کے تریاق سے دیا جا سکتا تھا، مگر بدقسمتی سے اس میدان میں ایک دوسرے زاویے سے ہماری عجز و درماندگی آڑے آئی ہے۔ اگر ہمارے اندر ایسے خدا پرست اٹھتے اور گہرے تحقیق و تجسس سے کام لے کر بے خدا فکر و فلسفہ کے صالح اجزاء کو چھانٹ کر قبول کرتے اور غیر صالح اجزاء کی تردید و ابطال کر کے اس کی تلافی بھی صالح اجزائے فلسفہ سے کرتے تو کسی بے خدا فلسفے کو میدانِ کارزار میں کھڑے ہونے کی جرأت ہی کب نصیب ہوتی۔ مگر افسوس کہ اس کوہِ گراں کو عبور کرنے کے لیے جس تحقیق و تجسس اور اس تحقیق و تجسس کے لیے جیسے شیر دل، باہمت اور باعزیمت افراد کی ضرورت ہے، وہ مشرقی دنیا میں کہاں ہیں ؟
صدف صدف دیکھ کر اور موج موج ڈھونڈ کر میں نے قسمت آزمائی کر لی، مگر اس "محیط"، میں مجھے تحقیقِ حق کی صلاحیت رکھنے والے وہ امام نہ مل سکے جنہیں میں "گوہرِ زندگی" کا نام دے سکوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ع "مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش" کے مصداق یہاں کی اکثریت صوفی و ملّا کے فرسودہ خیالات اور قرآن و سنّت کے بالکل خلاف بے اصل اور بے بنیاد حکایات کی غلام بن کر رہ گئی ہے۔ صوفی و ملّا کے منطق سے سلجھے ہوئے اور لغت کے بکھیڑوں میں الجھے ہوئے بیان کے سامنے تو اسلام کے یہ خشک دعوے دار جھوم جھوم کر رو بھی پڑتے ہیں، مگر اسلامی فکر و فلسفہ پر باقاعدہ تحقیق سے انہیں ایک موروثی عناد اور دیرینہ دشمنی ہے۔

اس قصّۂ درد کو جاری رکھتے ہوئے اقبال ایک اور حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ جب بے خدا سائنس اور فکر و فلسفہ کا منہ توڑ جواب نہیں دیا گیا اور اس طفلِ شریر کا برمحل نوٹس نہیں لیا گیا تو اسے پاؤں پھیلانے اور انسانی اذہان پر قبضہ کرنے کا مزید موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا اور درحقیقت نکلا بھی کہ دنیا دار مسلمان تو درکنار دیندار افراد کے پائے ثبات بھی لرزنے اور ڈگمگانے شروع ہو گئے۔ کیونکہ

(باقی صفحہ ۴۰ پر)